شریعتِ اسلامی کے بنیادی ضابطے

تالیف : احمد حسن الخطیب مصری

[فقہائے اسلام نے اسلامی احکام و قوانین کی تدوین میں قرآن اور حدیث سے ماخوذ جن اصولی ہدایات کو اختیار کیا ہے انہیں فقہار کی اصطلاح میں "قواعد و کلیات" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس طرح کے قواعد و کلیات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے جو شخص اسلامی قوانین کی روح اور اصل کو سمجھنا چاہتا ہو یا آئندہ کے لیے اسلامی قوانین کی تدوین کرنا چاہتا ہو اس کے لیے ان قواعد و ضوابط کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ مصر کے نامور اہلِ علم حسن احمد الخطیب نے اس موضوع پر نہایت اچھی کاوش کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب فقہ الاسلام میں اِن تمام قواعد و ضوابط کو یکجا جمع کر دیا ہے اور مختصر طور پر ہر قاعدے کی تشریح مثالوں کی روشنی میں کر دی ہے۔ انہوں نے ان ضوابط کی کل تعداد ۴۸ بیان کی ہے۔ چنانچہ ہم ان تمام ضوابط کا ترجمہ و تشریح قارئین ترجمان القرآن کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں وقت کی یہ نہایت اہم ضرورت ہے]

پہلا ضابطہ: الحکم یتبع المصلحۃ الراجحۃ (حکم راجح مصلحت کے تابع ہوتا ہے)۔

اس ضابطہ کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً عبادات، جہاد، مالی انفاق اور اس طرح کے بہت سے امور میں نقصان کا پہلو بھی ہوتا ہے، لیکن چونکہ ان کا فائدہ ان کی خرابی پر غالب ہے اس لیے شارع نے ان کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس جس فعل میں برائی کا پلڑا اُس کے فائدہ پر غالب ہوتا ہے شریعت اُسے حرام قرار دے دیتی ہے۔ چنانچہ شراب، جُوا، فواحش اور ظلم ان سے

انسان کو کبھی منافع اور مفادات بھی حاصل ہو جاتے ہیں، لیکن چونکہ ان کے مفاسد ان کی بھلائیوں کی نسبت غالب ہیں اس لیے اللہ اور اس کے رسول نے ان سے منع فرمایا ہے۔ یہ وہ فقہی ضابطہ ہے جس کا لحاظ شریعت کے احکام میں نہایت ضروری ہے[1]۔

دوسرا ضابطہ: الضرر یُزال اور لاضرر ولاضرار[2] (ضرر کو دُور کیا جانا چاہیے یا نہ ضرر رسانی میں ابتدا کی جائے اور نہ ضرر کا بدلہ لینے میں مبالغہ کیا جائے):

اِس ضابطہ کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث پر رکھی گئی ہے کہ لاضرر ولاضرار (نہ کسی کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی کے نقصان کے جواب میں مبالغہ اور زیادتی کی جائے)۔ ایک دوسری روایت میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ یہ وہ ضابطہ ہے جو فقہ کے اکثر و بیشتر ابواب کا ماخذ ہے۔ اور اس ضابطہ سے اخذ ہونے والے فروعی احکام سے یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و زیادتی کے ازالہ کی خاطر افراد اور جماعتوں کو نقصان سے بچانے کی انتہائی حریص ہے تاکہ لوگ اپنے حقوق کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہوں۔ فقہ کے بکثرت احکام اس ضابطہ سے مستنبط ہوئے ہیں۔ مثلاً بعض ائمہ کی رائے میں بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف بیٹوں پر مال کو وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی وقف سے مراد قرض خواہوں کو نقصان پہنچانا ہو تو وہ وقف بھی حرام ہے۔ بلکہ اِس صورت میں بعض علماء کے نزدیک اس وقف کو توڑ دینا جائز ہے۔ جن فقہاء کے نزدیک شریک (حصہ دار) اور پڑوسی کو شُفعہ کا حق دیا گیا ہے وہ بھی اسی ضابطہ سے ماخوذ ہے۔ عیب واضح ہو جانے کی صورت میں فروخت کی ہوئی چیز بائع کو لوٹائی جا سکتی ہے۔ اسباب حجر متحقق ہو جانے پر حجر نافذ کر دیا جائیگا۔ قصاص، حدود و کفارات اور تلف شدہ اشیاء

---

[1] ملاحظہ ہو التوسل والوسیلۃ، تالیف ابن تیمیہؒ، ص ۵۰، المنار کا دوسرا ایڈیشن

[2] "المغرب" میں لاضرر ولاضرار کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی ضرر رسانی میں نہ ابتدا کرے نہ اس کی طرف سے ضرر رسانی ہونے کی صورت میں انتقاماً اُسے ضرر پہنچائے۔ ضرار اس انتقامی کارروائی کو کہتے ہیں

کی ضمانت یہ تمام امور اسی ضابطہ کی فروع ہیں۔ فقہ کی بعض کتابوں کے اندر یہ کتنا حیرت انگیز عادلانہ مسئلہ وارد ہے کہ اگر ایک شخص اپنے درخت کی شاخوں کو فروخت کرے اور خریدار جب شاخوں کو کاٹنے کے لیے درخت پر چڑھے تو اس سے ہمسایوں کی بے پردگی ہوتی ہو تو خریدار پر یہ لازم ہے کہ وہ چڑھتے وقت ہمسایوں کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ خبردار کر دے تاکہ وہ پردہ کر لیں۔ اگر خریدار ایسا نہ کرے تو یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور قاضی اُسے درخت پر چڑھنے سے روک سکتا ہے[1]۔

جو ضرر پہنچانے والے کے خلاف کی جاتی ہے۔ چنانچہ زیر بحث حدیث میں عفو و درگزر کی ترغیب دی گئی ہے یا ضرار کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جس آدمی نے کسی کو نقصان پہنچایا ہو اُسے وہ جواباً نقصان پہنچانے میں مبالغہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔ "جو شخص تم پر زیادتی کرے اس پر تم اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے"۔ یہ قول بھی منقول ہے کہ ضرر ایک آدمی کا فعل ہے اور ضرار دو آدمیوں کا فعل۔ ایک اور قول میں ضرر اور ضرار دونوں کا ایک ہی مفہوم بتایا گیا ہے۔ صاحب النہایہ نے اس حدیث کی تاویل میں کئی پہلو ذکر کیے ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر ہماری مذکورہ بالا تشریح سے ہم آہنگ ہیں۔ صاحب النہایہ لکھتے ہیں: لا ضرر سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو نقصان نہ پہنچائے یعنی اُس کے حق میں سے کوئی چیز کم نہ کرے۔ اور ضرار ضرّ سے فعال کے وزن پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو اس بنا پر مبتلائے نقصان کرے کہ اس نے بھی اُسے نقصان پہنچایا تھا۔ ضرر ایک آدمی کے فعل کو کہتے ہیں۔ اور ضرار اُس فعل کو جس میں دو آدمی شریک ہو جائیں۔ ضرر آغاز فعل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ضرار اس کی جزا کے لیے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ضرر اُس کام کو کہتے ہیں جس سے تو اپنے ساتھی کو نقصان پہنچائے مگر تو خود اس کام سے منفعت حاصل کرے۔ اور ضرار وہ کام ہے جس سے تو اپنے ساتھی کو نقصان پہنچائے اور خود بھی اس سے کوئی منفعت نہ حاصل کر پائے۔ ملاحظہ ہو النہایہ فی غریب الحدیث جلد سوم، طبع ۱۳۱۱ھ۔

[1] الاشباہ والنظائر ص ۱۱۸، طبع ۱۲۹۰ھ

تیسرا ضابطہ: الضرورات تبیح المحظورات (اضطراری حالت ممنوع چیز کو مباح کر دیتی ہے)۔

اس ضابطہ کی بنا پر انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر لقمہ اُس کے حلق میں اٹک گیا ہو اور شراب کے علاوہ اُس کے پاس کوئی چیز موجود نہ ہو تو وہ شراب کے ساتھ اُسے حلق سے نیچے اُتار سکتا ہے۔ اسی طرح شدید بھوک کے وقت حلال غذا نہ مل سکے تو مردار کھانا جائز ہے۔ حالتِ جبر میں کلمۂ کفر زبان سے ادا کر سکتا ہے۔ اگر بوجھ کی کثرت کی وجہ سے کشتی کے غرق ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سازوسامان کو تلف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی انسان کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ دوسرے انسان کو قتل کرے ورنہ خود اُسے قتل کر دیا جائے گا تو ایسی صورت میں اُسے اپنی جان بچانے کی خاطر دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کا اپنے آپ کو قتل کرنا دوسرے کو قتل کرنے کی نسبت کم نقصان دہ ہے۔ مذکورہ بالا ضابطہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر قائم ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔	اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے مردار اور خون اور سُور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ البتہ بھوک سے مجبور ہو کر اگر کوئی ان چیزوں کو کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہشمند ہو یا حدِ ضرورت سے تجاوز کا مرتکب ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

علمائے فقہ نے اس آیت کو ماخذ قرار دے کر بکثرت احکام اور فیصلوں پر اسے منطبق کیا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت پیش کی گئی جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اُس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے رجم کا حکم جاری فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سُن کر کہا: "ہو سکتا ہے اُسے کوئی عذر لاحق ہوا ہو۔" چنانچہ انہوں نے اس عورت سے دریافت کیا: "کس چیز نے تجھے زنا پر آمادہ کیا؟" عورت نے جواب دیا: "میرا ایک ساجھی ہے۔ اُس کے اونٹوں میں پانی بھی تھا اور دودھ بھی۔ میرے اونٹوں میں نہ پانی تھا اور نہ دودھ۔ مجھے

پیاس لگی۔ میں نے اُس سے پانی مانگا۔ اُس نے مجھے پانی دینے سے انکار کر دیا مگر اس شرط پر کہ میں اپنا جسم اُس کے حوالے کر دوں۔ میں نے تین مرتبہ اس بات سے انکار کیا۔ جب میں پیاس سے نڈھال ہو گئی اور مجھے گمان ہوا کہ میری جان نکل جائے گی تو میں نے اُس کی خواہش پوری کر دی، اس کے بعد اُس نے مجھے پانی پلایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سُن کر پکار اُٹھے: "اللہ اکبر! فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔ ان اللہ غفور رحیم"[1]

چوتھا ضابطہ: ما أُبیح للضرورۃ یقدر بقدرھا (ضرورت کے تحت مباح ہونے والی چیز صرف بقدرِ ضرورت ہی مباح ہوگی):

چنانچہ اضطرار کی حالت میں مردار کھانے والے شخص کے لیے اُسی حد تک مردار حلال ہے جو سدِ رمق کے لیے کافی ہو۔ فقہاء نے کہا ہے: شہید کا خون اُس کی اپنی ذات کے لیے تو طاہر اور پاک ہے مگر دوسرے کے لیے وہ نجس ہی ہے۔ کیونکہ شہید کو جو اضطرار لاحق ہے وہ دوسرے کو لاحق نہیں ہے۔ اسی ضابطے کی رُو سے طبیب کے لیے جسم کے پوشیدہ حصوں کو دیکھنا جائز تو ہے مگر صرف اُسی حد تک جس حد تک ضرورت تقاضا کرے۔

پانچواں ضابطہ: الضرر لایزال بالضرر (ضرر کا ازالہ ضرر کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا):
اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مُضطر (اضطراری حالت میں مبتلا ہونے والا) دوسرے مُضطر کے کھانے کو نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں ایک شخص اپنا ضرر دُور کرنے کی خاطر دوسرے کے لیے باعثِ ضرر بن جاتا ہے۔

چھٹا ضابطہ: یُتحمّل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام (اجتماعی نقصان کو زائل کرنے کے لیے شخصی نقصان برداشت کیا جائے گا):
یہ فقہ کا ایک نہایت عظیم الشان ضابطہ ہے۔ اور اس سے بصراحت یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جب فرد اور جماعت کے مفاد میں تعارض واقع ہو جائے تو شریعت فرد کے مفاد کے مقابلے میں جماعت

---

[1] الطرق الحکمیۃ۔ تالیف ابن القیم ص ۵۳ طبع ۱۳۱۷ھ

کے مفاد کو ترجیح دیتی ہے۔ اس ضابطے کے تحت بے شمار فروعی اور ضمنی احکام وارد ہیں۔ مثلاً اگر کفار کی فوجیں مسلمان قیدیوں کو جنگ میں ڈھال بنا رہی ہوں تو اس کی پروا کیے بغیر کہ تیر کسی مسلمان کو بھی لگ جائے گا، کفار پر تیر اندازی کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی طبیب جاہل اور اناڑی ہو یا کوئی مفتی بدکردار ہو یا کوئی تاجر دیوالیہ ہو تو انہیں ان کاموں سے قانوناً روکا جاسکتا ہے خواہ وہ آزاد اور عاقل و بالغ ہوں۔ بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان تین اشخاص کے بارے میں اپنے اس مشہور اصول کو بھی ترک کر دیا ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی ملکیت کے اندر کسی قسم کا تصرف کرتا ہے تو اسے حکماً اس سے منع نہیں کیا جاسکتا خواہ اس سے دوسرے کو ضرر ہی لاحق ہوتا ہو۔ امام صاحب نے ان اشخاص کے بارے میں اپنا اصول نظر انداز کر کے زیربحث ضابطے کو اس لیے اختیار کر لیا ہے کہ وہ ایک ایسے اجتماعی نقصان کو روکنا چاہتے ہیں جو مذکورہ بالا تینوں اشخاص کے انفرادی تصرفات سے پوری جماعت کو پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح بعض ائمہ کرام نے بیوقوف اور نادان کے مالی تصرّفات پر پابندی کو جائز ٹھیرایا ہے۔ اسی طرح مقروض کے مال کو فروخت کر دینا جائز ہے تاکہ اُس پر عائد ہونے والا قرض ادا کر دیا جائے اور قرض خواہوں کو ضرر سے بچایا جائے۔ اسی ضابطے کے مطابق حاکم کو اس امر کی اجازت ہے کہ اشیاء کے نرخ مقرر کر دے اگر وہ یہ دیکھے کہ نرخ بندی نہ ہونے کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں چڑھ رہی ہیں اور لوگ نقصان میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ چنانچہ فقہاء کا یہ قول ہے کہ "سلطان کے لیے اشیاء کی نرخ بندی کرنا درست نہیں ہے الّا یہ کہ غلّہ کے مالک قیمت کے اندر ظالمانہ تجاوز کر رہے ہوں۔ اسی ضابطے کی رُو سے ذخیرہ اندوز کا غلّہ جبراً فروخت کیا جاسکتا ہے جب کہ لوگوں کو غلّہ کی شدید ضرورت ہو اور وہ فروخت کرنے سے گریز کر رہا ہو۔ اس سے مقصد اجتماعی نقصان کا ازالہ ہے۔

اسی ضابطے سے ملتا جلتا فقہاء کا یہ قول ہے کہ "اگر ایک ہی معاملے میں دو ضرر جمع ہو جائیں جن میں سے ایک ضرر دوسرے کی نسبت زیادہ عظیم ہو تو شدید تر ضرر کا ازالہ کرنے کے لیے خفیف ضرر کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ اس ضابطے کو "اختیار اخفّ الضَّرَرین" (دو نقصانوں میں سے ہلکے نقصان کو اختیار کرنا) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی مرنے والے شخص یا کسی کم سن بچے کا قرض کسی دوسرے

شخص کے ذمہ ہو اور متعرض قرض سے انکار کر دے اور گواہ بھی کوئی موجود نہ ہو تو میت یا کم سن بچے کے وصی کے لیے قانوناً یہ درست ہے کہ وہ مقروض سے قرض کے بعض حصوں پر ہی مصالحت کر لے۔ اور یوں دو نقصانات میں سے ہلکے نقصان کو قبول کر لے۔ کیونکہ اگر ایسی صورت میں قرض کے بعض حصوں پر مصالحت صحیح نہ مانی جائے تو کم سن بچے کا پورا مال ضائع ہو جائے گا۔ لیکن اگر مقروض قرض کا اقرار کر رہا ہو یا کوئی گواہ موجود ہو تو پھر وصی کو پورے قرض کے بجائے کم تر رقم پر مصالحت کا حق نہ ہوگا۔

ساتواں ضابطہ: اذا تعارضت مفسدتان، ارتکب اخفھما وعُدل عن اعظمھما ضرراً (جب دو برائیاں ایک ہی وقت میں پیش آجائیں تو ان دونوں میں سے ہلکی برائی کا ارتکاب کیا جائے گا اور زیادہ نقصان کی حامل بُرائی سے بچا جائے گا):

اس کی مثال یہ ہے: ایک شخص زخمی ہے اور وہ نماز پڑھنی چاہتا ہے۔ اگر وہ سجدہ کرتا ہے تو اُس کا زخم بہنے لگتا ہے۔ اور اگر سجدہ نہ کرے تو زخم نہیں بہتا۔ اس صورت میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ کو اشارہ سے ادا کرے۔ کیونکہ سجدے کا ترک کر دینا بجالت کی حالت میں نماز پڑھنے سے کم تر مضر ہے۔

اِس ضابطے کی دوسری مثال یہ ہے کہ اگر سچ بولنے سے کوئی بڑی خرابی رونما ہو جاتی ہو تو فقہاء نے اس موقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ حَمَوی نے الاشباہ والنظائر کی شرح میں اِس مسئلے پر تفصیل کلام کیا ہے[۵]۔ حَمَوی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے: جھوٹ بولنا تین مواقع پر جائز ہے۔ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے۔ جنگ کے اندر۔ بیوی کے سامنے اُس کی اصلاح کے پیشِ نظر۔ اس جھوٹ سے مراد بھی کذبِ صریح نہیں ہے بلکہ توریہ اور کنایہ سے کام لیا جانا چاہیے۔ یہ قول بھی منقول ہے کہ کسی حق کو زندہ کرنے کے لیے یا کسی ظلم کو دفع کرنے کے لیے بھی کذب مباح ہے۔ بلکہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ ظلم سے اُس کی نجات صرف جھوٹ بولنے ہی سے ہو سکتی ہے تو اُس کے لیے کھلا کھلا جھوٹ بول دینا بھی جائز ہے۔ حتیٰ کہ بعض صورتوں میں تو اُس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہو گا۔ جیسا کہ مثلاً مسلمان اگر

[۵] ملاحظہ ہو الحَمَوی جلد اوّل ص ۱۲۱ طبع ۱۲۹۰ھ

دشمن سے صرف اسی صورت میں بچ سکتے ہوں کہ جھوٹ بولا جائے، یا کوئی ظالم کسی شخص کی امانت زبردستی چھین لینا چاہتا ہے اور اسی نیت سے وہ کسی دوسرے شخص سے اس امانت کو دریافت کرتا ہے تو اس کے لیے اس کا انکار کر دینا اور یہ جھوٹ بول دینا واجب ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ امانت کس جگہ رکھی ہوئی ہے"۔

آٹھواں ضابطہ: درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح (ازالۂ مفاسد جلب منفعت پر مقدم ہے): اگر ایک ہی چیز میں برائی اور بھلائی دونوں جمع ہو جائیں تو اکثر و بیشتر حالات میں برائی کے ازالہ کو مقدم رکھا جائے گا اور فائدے کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اسی قاعدے کی رو سے شراب اور قمار کی حرمت وارد ہوتی ہے۔ شراب اور قمار دونوں میں سے ہر ایک کے اندر انسانوں کے لیے منافع اور مصالح پائے جاتے ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ اور مضرت ہر لحاظ سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا " (اے نبی، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان کے اندر بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی ہیں۔ مگر ان دونوں کا گناہ ان کے منافع سے بہت بڑا ہے)۔ اسی قاعدے کے موجب شیخ محمد عبدہ تعدد ازواج سے اس صورت میں منع کیا کرتے تھے جب کہ بیویوں، اولاد اور زوجین کے خاندانوں کے اندر جھگڑے برپا ہونے لگیں[۵۶]۔

اس ضابطے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ وضو کرنے والے کے لیے کلی کرنے یا ناک صاف کرنے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے لیکن یہ روزہ دار کے لیے مکروہ ہے کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ پانی حلق سے اتر جائے گا[۵۷]۔

نواں ضابطہ: الیسر و دفع الحرج - والمشقة تجلب التيسير (نرمی کی جائے اور تنگی کو دور کیا جائے۔ مشقت اس کی مقتضی ہے کہ سہولت پیدا کی جائے):

---

[۵۶] نداء الجنس اللطیف تالیف سید رشید رضا ص ۲۹۔

[۵۷] ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر جلد اول ص ۱۲۵ و ۱۲۶ طبع ۱۲۹۰ھ

اس ضابطہ کی بنیاد مندرجہ ذیل آیات و احادیث پر قائم ہے:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔	اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔
مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔	اُس نے دین کے اندر تمہارے لیے تنگی نہیں رکھی ہے۔

امام احمدؒ نے مُسند میں جابر بن عبداللہ اور ابو اُمامہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احبّ الدین الی اللہ الحنیفیّۃ السّمحۃ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین دین سہل ترین حنیفیت ہے)۔

اسی قاعدہ کی مدد سے بکثرت احکام مرتب کیے گئے جن کے اندر انسان کی فطرت اور اُس کی قوتِ برداشت کا پُورا پُورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب مال حدِ نصاب کو پہنچ جائے اور وہ بھی مال کی نہایت معمولی مقدار یعنی چالیسواں حصہ ہے۔ اسی طرح جب عورت حیض کی حالت میں ہو تو اُسے طلاق دینا (بعض کے نزدیک) مکروہ اور بعض کے نزدیک، حرام ہے تاکہ اس کے لیے عدّت کا وقفہ طویل نہ ہو جائے۔ حائضہ عورت کے لیے روزے کی قضا لازم ہے مگر نماز کی قضا واجب نہیں کی گئی ہے۔ اس میں بھی رفعِ حرج کا اصول کارفرما ہے۔ حج کو عمر میں صرف ایک مرتبہ بشرطِ استطاعت فرض کیا گیا ہے۔ علّامہ ابو السعود نے آیت یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (اے ایمان والو، نبی سے ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جن کی حقیقت اگر تم پر واضح کردی جائے تو پھر تمہیں ناگوار گزرے) کی تشریح کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔ قبیلہ بنی اسد کا ایک آدمی جسے عُکاشہ بن محصن کہا جاتا تھا اور بعض نے اُسے سراقہ بن مالک بتایا ہے، اُٹھا اور آنجنابؐ سے پوچھنے لگا: یا رسول اللہ!

کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ آنحضورؐ نے اس شخص کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ مگر اُس شخص نے تین مرتبہ اپنا سوال دُہرایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "تجھ پر افسوس ہے۔ کونسی چیز تجھے بچا سکتی ہے اگر میں "ہاں" کہہ دوں، خدا کی قسم اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو پھر ہر سال کے لیے حج فرض ہو جاتا۔ اور اگر فرض ہو جاتا تو تم اس کی ہر سال استطاعت نہ رکھتے۔ تمہارے لیے جو چیز میں نے چھوڑ دی ہے تم بھی اس کے بارے میں مجھ سے پوچھنا چھوڑ دو۔ تم سے پہلے لوگ کثرتِ سوال اور انبیاء سے اختلاف کی بنا پر ہلاک ہو گئے۔ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو بقدرِ استطاعت تم اُس پر کاربند ہو جاؤ اور جب کسی چیز سے منع کر دوں تو اُس سے رک جاؤ۔"

شریعتِ اسلامی کی تمام رخصتیں اور سہولتیں اسی ضابطے پر مبنی ہیں۔ فقہ کی جزئیات اور احکام کی کثیر تعداد اِس ضابطے سے متفرع ہے۔ اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ فقہ کے اکثر ابواب کا ماخذ یہی ضابطہ ہے۔

علماء نے احکام میں تخفیف اور آسانی کے متعدد اسباب بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ بیماری۔ اس سبب کے تحت کئی احکام آتے ہیں۔ اگر بیماری ایسی ہو کہ پانی کو ہاتھ لگانے سے جان کا خوف ہو تو وضو کے بجائے تیمم کر لینا جائز ہے۔ فرض نماز بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے۔ رمضان کے روزے چھوڑے جا سکتے ہیں۔ حج کے لیے کسی دوسرے شخص کو نائب بنایا جا سکتا ہے جبکہ وہ شرطیں پوری ہوتی ہوں جن کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے۔ احرامِ حج کے دوران ممنوع کام فدیہ ادا کر دینے کے بعد مباح ہو جاتے ہیں۔ اور ایک قول کی رُو سے نجس چیزوں اور شراب کو دوا میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور ڈاکٹر کے لیے مرد اور عورت کے پوشیدہ حصوں کو بقدرِ ضرورت دیکھنا جائز ہوتا ہے۔

۲۔ سفر۔ اس سے متعلق بھی متعدد احکام وارد ہیں۔ چنانچہ حالتِ سفر میں چار رکعتوں کی نماز میں قصر کیا جاتا ہے۔ رمضان میں روزے ترک کیے جا سکتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں چھوڑی جا سکتی ہیں۔

۳۔ اکراہ۔ اگر انسان کسی مجبوری اور بے بسی کی حالت میں ہو تو اس کی وجہ سے بھی بعض احکامِ شرعیہ

میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

۴۔ نسیان۔ یہ حقوق اللہ کے معاملے میں قابلِ لحاظ عذر ہے چنانچہ نسیان کی وجہ سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر حکم کو یاد دلانے والا پاس موجود ہو اور حکم کے فراموش ہو جانے کا محرّک بھی موجود ہو تو حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کسی روزے دار کا بھول چوک کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ یا جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ بھول جانا۔ لیکن اگر یاد دلانے والا پاس موجود ہو اور ترک حکم کا محرک بھی موجود نہ ہو تو پھر حکم ساقط نہیں ہو گا جیسے نمازی کا حالتِ نماز میں کوئی چیز کھا لینا لیکن حقوق العباد میں نسیان کا عذر معتبر نہیں ہے۔ اِس بنا پر اگر کوئی شخص بھول کر کسی دوسرے شخص کا مال تلف کر دے تو اس پر تاوان لازم آئے گا۔ تمام فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ چند ایسے مسائل ہیں جن میں نسیان کی وجہ سے معافی نہیں ہو گی۔ مثلاً مُحدِث (بے وضو) اگر بعض اعضاء کو دھونا بھول جائے تو وضو قابلِ اعتبار نہ ہو گا۔ یا قاضی نص شرعی کو بھول جائے اور قیاس کی بنا پر کوئی فیصلہ صادر کر دے تو اس کا یہ فیصلہ صحیح نہ ہو گا۔ اس بحث کی مکمل تفصیل حموی میں ملاحظہ ہو (حموی ص ۱۰۶)۔

۵۔ عُسر اور عموم بلویٰ۔ اس کی مثالیں یہ ہیں: قابلِ معافی نجاست کے ساتھ نماز کا صحیح ہونا۔ اور حائضہ عورت کے لیے نمازوں کی قضا کا واجب نہ ہونا کیونکہ اسے بار بار ان ایام سے سابقہ پیش آتا ہے مگر روزوں کے بارے میں یہ اجازت نہیں ہے (کیونکہ وہ سال بھر میں ایک مرتبہ آتے ہیں)۔ سال بھر میں صرف ایک مہینے میں روزے فرض ہیں۔ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اور زکوٰۃ مال کا صرف چالیسواں حصّہ ہے۔ ان تمام امُور میں تنگی کو رفع کیا گیا ہے اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ولی اور وصی یتیم کے مال میں سے اپنی محنت کی اُجرت کی مقدار میں مال کھا سکتے ہیں۔ گواہ اور طبیب کو عورت پر نظر ڈالنے کی اجازت ہے۔ نیز منگنی (خطبہ) کے وقت مرد کے لیے عورت کو دیکھ لینا مباح ہے۔ مرد کو مشروط طور پر چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے اور صرف ایک بیوی پر اکتفا لازم نہیں کیا گیا ہے۔ اس حکم میں ایک طرف مرد کے لیے تیسیر کا اصول ملحوظ رکھا گیا ہے اور دوسری طرف خود اُمّت کی اس مصلحت کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ اگر حالات افزائشِ نسل کا تقاضا کرتے ہوں تو اس

حکم سے استفادہ کیا جائے۔ نیز اگر معاشرے کے اندر عورتوں کی کثرت ہو تو خود عورتوں کے لیے بھی سہولت اسی میں ہے کہ تعدّدِ ازدواج کا دروازہ کھلا رہے۔ مگر ہر حالت میں مرد کو چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ اس میں مرد کے لیے عدل و انصاف اور تقسیمِ اموال وغیرہ میں غیر معمولی مشقت پائی جاتی ہے۔

طلاق کا جواز بھی اسی اصول کے تحت آتا ہے۔ کیونکہ خاوند اور بیوی کے اخلاق و عادات اگر ایک دوسرے سے متصادم ہوں تو اس صورت میں دونوں کا رشتۂ زوجیت کے ساتھ بندھا رہنا موجبِ مشقت ہے بلکہ دونوں کا بھلے طریقے سے باہم زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ وصیت کرنے کی اجازت میں بھی یہی اصل کارفرما ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے اندر کسی نیکی کے کام سے محروم رہ گیا ہے تو اسے اپنے مال میں سے وصیت کی اجازت ہے تاکہ مرتے وقت اس کی تلافی کر سکے۔ اس کی یہ وصیت ترکہ کے تہائی حصے میں نافذ ہوگی تاکہ وارثوں کو نقصان سے بچایا جا سکے۔ لیکن کوئی وارث نہ ہو تو یہ وصیت پورے کے پورے مال میں بھی نافذ ہو سکتی ہے۔ اسی اصول کی ایک اور مثال یہ ہے کہ قسم کے کفارہ میں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا انہیں کپڑا پہنایا جائے یا ایک غلام آزاد کیا جائے۔ یہ اختیار اس بنا پر دیا گیا ہے کہ قسم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور اس کا کفارہ بھی ہر بار لازم آتا ہے مگر دوسرے کفاروں میں یہ اجازت نہیں ہے کیونکہ وہ بہت نادر الوقوع ہوتے ہیں۔ عمومِ بلوٰی (عام آزمائش) کے اندر تیسیر کی مثال یہ ہے کہ مجتہدین کے لیے اجتہادی غلطی کا گناہ ساقط کر دیا گیا ہے اور ان سے صرف ظن کی بنا پر رائے قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اگر انہیں یقین کے ساتھ حکم لگانے کا پابند کیا جاتا تو ان کے لیے امرِ یقین تک پہنچنا دشوار تھا۔

۶۔ نقص (خامی کا وجود)۔ کسی انسان کے اندر فطری نقص پایا جانا بجائے خود مشقت کی ایک قسم ہے۔ اس لیے کہ انسانی نفس کی جبلت میں کمال کی محبت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ تکلیفِ شرعی اور تخفیف و تیسیر میں پوری پوری مناسبت رکھی گئی ہے۔ بربنائے نقص مجنون اور نابالغ بچہ شرعاً غیر مکلف قرار دیئے گئے ہیں۔ اور مرد پر بعض ایسے امور فرض کر دیئے گئے ہیں جن میں عورت مکلف نہیں ہے۔ مثلاً جہاد جبکہ

نفیرِ عام نہ ہو۔ کیونکہ نفیرِ عام کے وقت عورت پر بھی جہاد واجب ہوتا ہے اور خاوند کے اذن کے بغیر بھی جہاد کے لیے نکل سکتی ہے[۵۸]۔

قاعدۂ تیسیر اور رفعِ حرج کی وضاحت میں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول منقول ہے کہ: "جب کسی معاملہ میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے تو (احکام کی رُو سے) اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے"۔ امام شافعیؒ کے اس قول میں تنگی (ضیق) سے مُراد مشقت ہے اور وسعت سے مراد قیاسات اور قواعد کی پابندی سے چھٹکارا ہے۔ حنفی ائمہ کا اس بارے میں یہ مشہور قاعدہ ہے کہ "اضطرار کے مواقع اور تکلیف عام (عموم بلوی) کی صورتوں میں سہولت کا راستہ اختیار کیا جائے گا"[۵۹]۔ (باقی)

---

[۵۸] الاشباہ والنظائر ص ۱۱۷، جلد اوّل۔

[۵۹] ردّالمحتار جلد اوّل ص ۱۳۲۔ طبع ۱۳۱۸ھ۔